© rasailojaraid.com

ملازمین کے گروپ لائف انشورنس کی شرعی حیثیت

ڈاکٹر محمود الحسن عارف

"گروپ لائف انشورنس (طبقاتی بیمہ) کا مسئلہ خاص طور پر دور حاضر کے سرکاری ملازمین کے لیے خصوصی طور پر بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس لیے کہ ایک طرف علمائے کرام کے اس بارے میں اس کی حرمت کے حق میں فتاویٰ ہیں اور دوسری جانب وقت اور زمانے کی ضروریات ہیں اور پھر تشویشناک حد تک بڑھتے ہوئے حادثات اور مختلف بیماریاں ہیں، ان حالات میں، بالخصوص سرکاری ملازمین کیا کریں؟ ذیل میں اسی مسئلے کے دونوں پہلوؤں پر مفصل بحث کرکے نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۔ مسئلے کی نوعیت

مسئلے پر گفتگو کرنے سے پہلے ضروری ہے، کہ اصل مسئلے کی نوعیت کو ذہن نشین کر لیا جائے، کہ اس وقت ہمارے سامنے جو معاملہ در پیش ہے، اس کی نوعیت کیا ہے۔

کہنے کو تو یہ "لائف انشورنش" یعنی "تا حیات بیمے"، ہی کی ایک قسم ہے اور اسے اسی کے تحت ذکر بھی کیا جاتا ہے[1] تاہم اگر بامعان نظر دیکھا جائے، تو دونوں میں بہت سی باتوں میں

---

[1] ان کی تعریف (Definition) پر پروفیسر رابرٹ آئی مہر (Robert I. Mehr) اور پروفیسر رابرٹ ڈبلیو اوسلر Robert W. Osler نے اپنی کتاب Modern life insurance بار سوم میں بڑی طویل اور مفصل بحث کی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنیادی فرق موجود ہے۔ چند فروق کی جانب توجہ دلانا مناسب ہوگا۔

۱۔ بیمہ کی مروجہ دیگر اقسام میں "بیمہ دار" اگر دوران میعاد مر جائے، تو وہ کمپنی کی جانب سے پوری رقم کی ادائیگی کا حقدار ہوتا ہے اور اگر وہ اپنی میعاد پوری کرے، تو اسے اس کی جمع کردہ رقم بمع منافع واپس کردی جاتی ہے، چنانچہ "گروپ لائف انشورنس" میں متعدد افراد، جن کی تعداد ۵۰ سے کسی طرح کم نہیں ہوسکتی، باہم مل کر ایک فنڈ قائم کرتے ہیں۔ یا ان کا ملازمتی ادارہ ایسا فنڈ قائم کرتا ہے، جس میں ملازم (EMPLOYEES) اور ادارہ (EMPLOYER) دونوں عطیات جمع کرتے ہیں اور بوقت ضرورت یعنی میعاد ملازمت کے دوران میں معذور ہوجانے والے، یا وفات پاجانے والے فرد کے اہل خانہ کی امداد، بصورت نقد یا جنس کی جاتی ہے، لہذا یہاں اپنی جمع کی ہوئی رقم بمع سود واپس ہونے کا کوئی پہلو نہیں، البتہ جو رقم کسی کو دی جاتی ہے، اس میں تمام ممبران کے عطیے شامل ہوتے ہیں[1]

۲۔ بیمہ کی دوسری تمام اقسام منفعت کی اساس پر قائم ہیں، دوسرے لفظوں میں وہ ایک کاروبار (BUSINESS) کی حیثیت رکھتی ہیں، جبکہ گروپ لائف انشورنس کی اساس باہمی بھائی چارے اور اخوت و باہمی تعاون پر ہے۔ یہاں اسے منفعت بخش کاروبار کی حیثیت حاصل نہیں۔

۳۔ لائف انشورنس کی دیگر اقسام۔ مثلاً تاحیات بیمے یا میعادی بیمے میں ایک اور فرق یہ ہے، کہ ان کے پختہ ہوجانے (یعنی MATURIY) کے بعد، ان کی جمع شدہ رقوم بمع منافع واپس مل جاتی ہیں۔ نیز چند سالوں کے بعد ان کی بنیاد پر حکومت سے قرض لیا جاسکتا ہے، مگر زیر بحث یعنی گروپ انشورنس کی نوعیت اس سے مختلف ہے، اس میں فقط ممبران کے اہل خانہ کو، حادثے یا دوران ملازمت موت کی صورت میں امداد دی جاتی ہے، اس لیے اس کے لیے عمر کی میعاد ۶۰ سال مقرر ہے اور اس کے لیے طبی معائنہ بھی

---

[1] پروفیسر رابرٹ آئی مہر (ROBERT I MEHR) اور پروفیسر ڈبلیو اوسلر کی کتاب ماڈرن لائف انشورنس۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لازم ہے اور اگر کسی کے ساتھ ایسا حادثہ پیش نہ آئے، تو میعاد گزرنے کے بعد، اس سے اس کو کوئی فائدہ نہیں دیا جاتا۔ اس لیے اس میں اصل رقم مع سود " حاصل ہونے کی وہ صورت نہیں پائی جاتی، جو "عام انشورنس" میں پائی جاتی ہے۔

۴۔ انشورنس کی باقی اقسام میں سے کسی ایک کا انتخاب یا عدم انتخاب افراد کی اپنی صوابدید پر ہے۔ لیکن "گروپ لائف انشورنس" کے سلسلے میں افراد کو قطعاً اختیار حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کا حصول ہر سرکاری اور نیم سرکاری ملازم کے لیے ضروری ہے۔

۵۔ بیمہ کی باقی اقسام حکومت کے تحت نہیں، البتہ اس کی نگرانی میں چلتی ہیں، جبکہ "سرکاری / نیم سرکاری ملازمین کی گروپ انشورنس" خالصتاً حکومت کے ماتحت ہے۔

۶۔ عام بیمہ (انشورنس) پر تو ہمارے قریبی بزرگوں میں سے بہت سے بزرگوں نے قلم اٹھایا ہے۔ البتہ خاص طور پر "گروپ لائف انشورنس (تا "حیات طبقاتی بیمہ) پر کسی نے بھی قلم نہیں اٹھایا اور چونکہ ہمارے ان گرامی قدر اسلاف نے بھی بیمہ کی " بعض اقسام کے جواز" کو ثابت کیا ہے۔ مثال کے طور پر مفتی محمد شفیع نے علامہ ابن العابدین مفتی شام کے فتویٰ کے علی الرغم اور کاغذات کے بیمہ کے جواز کا فتویٰ صادر فرمایا ہے[۱] اس لیے زیر بحث صورت میں ہمارے لیے سوچنے کا میدان زیادہ وسیع ہے۔

۲۔ تمہید

اس موضوع پر گفتگو کو آگے بڑھانے سے پہلے، میں مناسب سمجھتا ہوں، کہ چند باتوں کو بطور تمہید پیش نظر رکھا جائے۔

اولاً: یہ کہ "بیمہ" کا تصور (مکمل طور پر) دور جدید کی پیداوار ہے قدیم زمانے میں نہ تو اس قسم کے حوادث تھے اور نہ ہی اس نوع کے مسائل، اسی بنا پر اس بارے میں ہمارے قدیم بزرگوں سے ہمیں کوئی مثبت یا منفی رہنمائی نہیں ملتی، اسی لیے یہ مسئلہ اجتہادی اور قیاسی مسائل میں شامل ہے۔ جن کے بارے میں ہمیں حدیث معاذ بن جبل[۲] سے، سوچ بچار غور و فکر کرکے

---

[۱] بیمہ زندگی مطبوعہ کراچی، ۱۹۷۲ء، ص ۱۸، ۱۹۔

[۲] یہ حدیث مشہور و متداول ہے، اسے ابو داؤد السجستانی (سنن، کتاب الاقضیہ، باب دوم)، امام ابو عیسیٰ الترمذی (کتاب الاحکام، باب ۳) اور الدارمی (سنن مقدمہ) نے روایت کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحیح نتیجے تک پہنچنے کی تاکید اور ہدایت ملی ہے۔

ثانیاً : یہ کہ عملی طور پر اس وقت مسلمانوں کی اکثریت "بیمۂ حیات" کو عموماً اور "تاحیات طبقاتی بیمہ" کو خصوصاً اختیار کر چکی ہے، گو مسلمانوں کا اجتماعی عمل کسی غلط اور ناجائز امر کے جواز کا باعث نہیں بن سکتا، تاہم اگر "مسئلہ" جدید (حدیثہ) ہو، اور اسلاف سے اس کے متعلق کوئی واضح ہدایت نہ ملتی ہو۔ تو

"عموم بلوای" یا "ابتلائے عام" کی یہ دلیل کسی نہ کسی رنگ میں اکثر فقہاء کے ہاں ہمیں ملتی ہے۔

ثالثاً : اس وقت کی تیز رفتار مشینی زندگی نے جہاں انسان کے لیے طرح طرح کی سہولتیں اور فوائد مہیا کیے ہیں، وہاں اس نے انسانی زندگی کے لیے خطرات و مصائب میں بھی بے پناہ اضافہ کر دیا ہے، جس سے معذور اور یتیم و بے آسرا ہو جانے والے افراد کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے، لہٰذا یہ مسئلہ پوری امت مسلمہ کی توجہ کا محتاج ہے تاکہ اس کا کوئی حل تلاش کر کے مسلم معاشرے میں محتاجوں اور ضرورت مندوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کا بروقت اور مناسب مداوا کیا جا سکے۔

۹ د : پھر یہ مسئلہ صرف پاکستان کے مسلمانوں ہی کا نہیں، بلکہ دنیا کے تمام اسلامی و غیر اسلامی ممالک کا بھی ہے، ان میں سے بہت سے ممالک ایسے ہیں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں (ہمسایہ ممالک بھارت، چین اور روس کی مثالوں کو سامنے رکھا جائے) جہاں پر آئے دن مسلمانوں کی جانوں، ان کی املاک اور اشیاء کو خطرہ لاحق رہتا ہے وہاں کے مسلمان ویسے ہی ابتر حالات کا شکار ہیں اور اگر خدانخواستہ "کمانے والا ہاتھ" کسی حادثے کا شکار ہو جائے۔ تو اس صورت میں ان کے تحفظ اور ان کے معاشرتی و اقتصادی مسائل کے حل کی کیا صورت ہوگی۔؟

اسی بنا پر معارف (اعظم گڑھ) کے تازہ شمارے میں "مجمع الفقہ الاسلامی" ہند کے پہلے سیمینار منعقدہ اپریل ہمدرد سنٹر ۱۹۸۹ء کی جو روداد شائع ہوئی ہے، اس میں مذکور ہے کہ سیمینار میں فسادات میں مسلمانوں کی جان و مال کو پہنچنے والے بھاری نقصان کے پیش نظر بیمہ کے مسئلے پر بھی غور ہوا، اکثر لوگوں کی رائے تھی، کہ مجلس تحقیقات شرعیہ لکھنؤ کے فیصلے کی تصدیق کی جانی چاہیے (ص ۳۰۲ - ۳۰۴) یاد رہے کہ اس سیمینار کا افتتاح مفتی محمد رفیع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاکستانی نے کیا اور صدارت ڈاکٹر جمال الدین عطیہ مصری نے کی تھی۔

ھ۔ پھر اسلام نے بہبود عامہ (PUBLIC WELFEAR) کا جو پروگرام "نظام زکوٰۃ وصدقات" کی صورت میں پیش کیا ہے، وہ اس وقت تمام اسلامی ممالک بشمول پاکستان میں بری طرح انتشار اور افراتفری کا شکار ہے، جس کی بنا پر مستحقین زکوٰۃ کی تعداد میں تو برابر اضافہ ہو رہا ہے، مگر معاشرہ ان کی دیکھ بھال اور کفالت کی وہ ذمہ داریاں ادا کرنے سے قاصر ہے، جو اسلامی نقطہ نگاہ سے اس پر لازم ہیں۔ اسلامی ملکوں اور اسلامی معاشرے کے یہ حالات بھی ہیں اس بلوے میں سنجیدگی اور متانت کے ساتھ غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں کہ ہم ان مسائل ومعاملات میں "مسلم امتہ" کی بہتری اور مفاد کو پیش نظر رکھیں۔

و۔ علاوہ ازیں اسلام ایک "دین یسر" (آسانی وسہولت کا مذہب) ہے۔ دین عسر (تنگی ومشقت) کا مذہب نہیں ہے، قرآن کریم میں ہے:

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ [1]

(خدا تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا)

نیز ارشاد نبوی ہے:

يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا بَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا [2]

(لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا، تنگی نہیں، لوگوں کو بشارت سنانا، انہیں متنفر نہ کرنا۔

ز۔ چونکہ مکمل طور پر یہ مسئلہ اجتہادی اور قیاسی ہے، اس لیے ہمارے قریبی اسلاف میں سے جن ارباب علم وفضل نے اس پر اظہار خیال کیا ہے، ان سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے، اور اس مسئلے میں اختلاف کو اسی نظر سے دیکھنا چاہیے، جس طرح کہ ہمارے اسلاف کے باہمی اختلاف کو دیکھا جاتا ہے، بشرطیکہ وہ اختلاف کسی برہان اور دلیل پر مبنی ہو۔

ح۔ اسلام کا یہ دعویٰ بھی پیش نظر رہے، کہ وہ ہر دور کے مسائل ومشکلات کے

---

[1] البقرہ۔ آیت ۱۸۵

[2] البخاری، کتاب الجہاد، باب ۱۶۴، مغازی باب ۶ وغیرہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حل کی سکت رکھتا ہے اور اس کی تکمیل ہو چکی ہے، جس کا ذکر آیۂ قرآنیہ :

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا [1]

(آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا)

اور اگر دین کی تکمیل ہو چکی ہے، جس میں کسی شک یا شبہے کی گنجائش نہیں، تو زیر نظر مسئلے کا حل بھی اس دین متین میں موجود ہے، جسے ہمیں تلاش کرنا ہے۔

۳۔ گروپ لائف انشورنس کی حرمت کے دلائل

اس تمہیدی بحث کے بعد اب ہم پہلے "بیمہ" کو حرام اور ناجائز خیال کرنے والوں کے دلائل کا ذکر کر کے ان کا تجزیہ کرتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ زیر بحث صورت پر وہ کس حد تک منطبق ہوتے ہیں۔

مشہور مصری استاد علامہ ابو زہرہ نے "بیمہ" کی حرمت پر جو دلائل پیش کیے تھے۔ جنہیں مفتی محمد شفیع مرحوم نے بھی اپنی کتاب میں شامل کر کے، ان پر صاد کیا ہے، حسب ذیل ہیں۔

۱۔ "بیمہ یا تو قمار ہے، جبکہ مقررہ مدت کے اختتام سے قبل ہی بیمہ دار مر جائے یا پھر ربوٰا اور یہ دونوں باہم ہی حرام ہیں[2]"

ہماری زیر بحث صورت یعنی "گروپ لائف انشورنس" کے سلسلے میں ان میں سے فقط "اول الذکر" صورت پائی جاتی ہے، یعنی یہ کہ اگر دوران ملازمت بیمہ دار مر جائے، تو اس کے "اہل خانہ" کو بیمہ کی رقم ادا کر دی جاتی ہے، ورنہ نہیں۔ لہٰذا اس لحاظ سے یہ صورت اول الذکر حکم یعنی "قمار" کے تحت آتی ہے۔

---

[1] المائدہ: ۳

[2] بیمہ زندگی، مطبوعہ کراچی، ۱۹۷۲ء، ص ۳۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن ہمارے خیال میں اس پر "قمار" کا اطلاق حسب ذیل وجوہ سے درست نہیں۔

قرآن کریم میں "قمار کی حرمت" لفظ میسر کے ساتھ وارد ہوئی ہے: ارشاد مبارک ہے:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا [1]

(اے پیغمبر لوگ تم سے شراب اور جوے کا حکم دریافت کرتے ہیں، کہہ دو کہ ان میں نقصان بڑے ہیں اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں، مگر ان کے نقصان فائدوں سے کہیں زیادہ ہیں۔

خمر اور "میسر" کے ضمن میں یہ ابتدائی حکم تھا، بعد ازاں سورۃ المائدہ میں اس کی مکمل حرمت کا یوں اعلان کیا گیا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [2]

(اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور پاسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان میں سے ہیں، سو ان سے بچتے رہو، تاکہ تم نجات پاؤ)

اور میسر کا لفظ "موعد" اور "مرجع" کی طرح مصدر ہے، اس کا مادہ ی۔س۔ر (یسر یسرًا) سے ہے، جس کے معنی تیروں (قِداح) سے کھیلنا ہے، اس کا اشتقاق یا تو یُسر (آسانی اور سہولت) سے ہے [3]، یا پھر یَسار (مال و دولت) سے۔ چونکہ میسر (جوئے) میں ایک فریق کو آسانی (الیسر) سے مال حاصل ہو جاتا ہے یا دوسرے فریق کا مال (الیسار) لٹ جاتا ہے، اس لیے اسے مَیْسِر کہتے ہیں [4] قرآن کریم میں خمر اور مَیْسِر کی حرمت پر ہی اکتفا نہیں

---

[1] البقرہ، ۲۱۹

[2] المائدہ، ص ۹۰

[3] لسان العرب، تذیل مادہ۔

[4] روح المعانی، ۲: ۱۱۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا گیا، بلکہ قدر مشترک کے طور پر، ان کے بعض خصائص واوصاف کا ذکر کر کے، انکی حرمت کو مؤکد کیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَوٰةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ [1]

(شیطان تو یہ چاہتا ہے، کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوادے اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے، تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔)

گویا خمر اور میسر کی حرمت کی تین وجوہ ہیں:

۱۔ اولاً ان سے لوگوں میں باہمی عداوت اور دشمنی پیدا ہوتی ہے، باہمی جھگڑے اور فسادات ہو جاتے ہیں، جس سے دنیا میں فساد پھیلتا ہے۔

۲۔ ان سے ذکر الٰہی سے اور

۳۔ نمازوں سے غفلت پیدا ہوتی ہے،

ان تینوں باتوں کو فقہاء نے دوسری اشیاء تک حرمت کے اس حکم کے تعدیہ (تجاوز) کے لیے بطور اصول سامنے رکھا ہے، اسی لیے فقہاء اور مفسرین نے خمر پر قیاس کرتے ہوئے، ہر قسم کی منشیات کی حرمت کا اور "میسر" پر قیاس کرتے ہوئے ہر قسم کے جوئے یعنی قمار کی حرمت کا ذکر کیا ہے، مثال کے طور پر علامہ محمود الآلوسی لکھتے ہیں:

وفی حکم ذالك جمیع انواع القمار من النرد والشطرنج وغيرهما، حتى ادخلوا فيه لعب الصبيان بالجوز والكعاب والقرعة من غير القسمة وجميع انواع المخاطرة والرهان [2]

---

[1] المائدہ، ص ۹۱

[2] روح المعانی ج ۲ ص ۱۱۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(قمار (جوئے) کی تمام اقسام از قسم نرد اور شطرنج وغیرہ اسی کے حکم میں داخل ہیں، یہاں تک کہ فقہاء نے اس میں بچوں کے اخروٹ اور نرد کے تیلوں کے ساتھ کھیلنے اور کسی شی کو تقسیم کے بغیر محض قرعہ اندازی سے تقسیم کرنے اور ہر قسم کے مخاطرہ اور الرھان کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔

تاہم یہ بات غور طلب ہے، کہ آیا زیر بحث صورت پر اس کا اطلاق درست ہے یا نہیں، ہمارے خیال میں "گروپ لائف انشورنس" کی زیر بحث صورت میں، اس پر "قمار"، کا اطلاق درست نہیں، کیونکہ زیر بحث صورت یعنی (گروپ لائف انشورنس) میں ایک محکمہ میں کام کرنے والے افراد اپنے اپنے کیڈر، میں ایک گروپ تشکیل دیتے ہیں، اور ہر ماہ ان کی تنخواہ سے کچھ حصہ بطور "پریمیم" کے وصول کر کے، علیحدہ مد میں رکھا جاتا ہے۔ اگر خدانخواستہ اس کیڈر کے کسی فرد کا دوران ملازمت انتقال ہو جائے یا وہ معذور ہو جائے، تو ایک مقررہ تعداد میں رقم اس کے اہل خاندان کو ادا کر دی جاتی ہے۔

اور یہ بات بہر حال واضح ہے کہ اس سے ارشاد قرآنی کے مطابق:

۱۔ نہ تو باہمی بغض و عداوت پیدا ہوتی ہے۔

۲۔ نہ ہی اس کا ذکر اور

۳۔ نماز سے روکنے میں کوئی عمل دخل ہے۔ اسی طرح لغوی مفہوم کے اعتبار سے بھی اس سے کوئی شخص لٹتا بھی نہیں ہے۔ البتہ آسانی سے، یعنی بغیر محنت کے رقم کا حاصل ہو جانا، بہر حال موجود ہے، لیکن کیا کسی خاندان کے سرپرست کا اٹھ جانا اس خاندان کے حق میں معمولی بات ہے اور پھر کیا محض کسی رقم کا آسانی سے اور بغیر محنت کے حاصل ہو جانا "حرمت" کی کافی وجہ ہو سکتا ہے۔ اس ضمن میں قانون شریعت کے مطابق مقتول کے ورثاء کو ادا کی جانے والی دیت کا مسئلہ بھی ذہن میں رہے۔ کہ ورثائے مقتول کے لیے اس کا حصول بھی نہایت آسانی اور بغیر محنت کے ہو جاتا ہے، اسی طرح "وراثت" کے نظام کو بھی سامنے رکھا جائے جس کی بنیاد پر لوگ بآسانی اور بلا محنت جائداد کے مالک ہو جاتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لیے ہمارے خیال میں یہاں "پس ماندگان" کو ادا کی جانے والی رقم "میسر" یا قمار کے حکم میں قطعاً شامل نہیں، بلکہ "احسان وتبرع" یا "تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى" کے تحت آتی ہے، جیسا کہ ہم آئندہ ذکر کریں گے۔

۲۔ استاد ابو زہرہ نے اس کے خلاف دوسری جو دلیل پیش کی ہے، وہ یہ ہے کہ:

"بیمہ میں "صفقتان فی صفقۃ" کا مفہوم پایا جاتا ہے[1] یعنی ایک معاملہ ختم ہونے سے پہلے اس میں دوسرا معاملہ داخل کر دیا جاتا ہے، جس کی ممانعت نص حدیث سے ثابت ہے اور اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق و اجماع ہے۔

یہ بات ممکن ہے کہ کسی حد تک انشورنس یا بیمہ کی دیگر اقسام پر منطبق ہوتی ہو، لیکن زیر بحث صورت پر قطعاً منطبق نہیں ہوتی، کیونکہ "گروپ لائف انشورنس" کا معاملہ بالکل واضح اور صاف ہے، اس میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں ہے، کہ ایک محکمہ کے ایک وسیع کیڈر میں کام کرنے والے لوگ باہم مل کر ایک فنڈ قائم کرتے ہیں جس میں حکومت بھی اپنا حصہ ڈالتی ہے جس میں سے مدت ملازمت مکمل نہ کر سکنے والے ان کے رفقائے کار کے اہل خانہ کی مدد اور سرپرستی کی جاتی ہے، اس میں "صفقتان فی صفقۃ" کا قطعاً کوئی مفہوم نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا اس دلیل کا اس پر انطباق درست نہیں۔

۳۔ استاد ابو زہرہ کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اس سے نظام میراث درہم برہم ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ رقم بیمہ دار کے نامزد کردہ شخص (NOMINEE) کو دی جاتی ہے، جبکہ ہر شرعی وارث مال متروکہ مال کا حقدار ہے۔

بیمہ کے خلاف پیش کی جانیوالی یہ دلیل بھی زیر بحث صورت پر منطبق نہیں ہوتی، کیونکہ اس اسکیم کے تحت ورثاء یا اس کے نامزد کردہ فرد (NOMINEE) کو جو امداد دی جاتی ہے وہ قطعاً "نظام وراثت" پر اثر انداز نہیں ہوتی، اسلیے کہ "وراثت" اس شئ مملوکہ یا ان اشیائے مملوکہ کی تقسیم سے عبارت ہے جو بوقت وفات متوفی کی ملکیت ہو، جبکہ یہ رقم تو وفات سے قبل قطعاً اسکی ملکیت میں نہیں ہوتی، اسکا استحقاق تو ہوتا ہی اس کی موت کے بعد ہے تو جو شئ کسی کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء یا اس کے نامزد کردہ فرد (NOMINEE) کو ملے، اس کے بارے میں یہ کہنا، کہ اس سے نظام وراثت پر اثر پڑتا ہے قطعاً درست نہیں اس کے

---

[1] از روئے حدیث عبداللہ بن مسعود، در مسند احمد بن حنبل، ۱: ۳۹۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بجائے یہ کہا جائے تو درست ہوگا کہ یہ معاملہ نظام وراثت سے قطعاً غیر متعلق ہے، پھر اس کا مقصد بھی وراثت سے مختلف ہے، اس فنڈ کے قیام اور اس کی حسب بالا تقسیم کا اصل مقصد ہی یہ ہے، کہ اس کی بیوہ اور اس کے بچوں کی تعلیم و تربیت اور دیگر ضروری معاملات کے سلسلے میں ان کی امداد اور سرپرستی کی جائے، کیونکہ اس پروگرام کے تحت ساٹھ سال سے زائد عمر کا کوئی شخص اس کا ممبر نہیں ہو سکتا، اور ظاہر ہے اس عمر تک وفات پا جانے کی صورت میں اس کی اولاد کو کتنے مسائل اور مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بایں ہمہ اگر اس کے جائز اور حقیقی وارث اس سے محروم رہ جاتے ہوں، تو عدالت ہذا قانون سازی کے ذریعے اس کا مداوا کر سکتی ہے۔

۴۔ استاد ابوزہرہ کے مطابق اس کی حرمت کی تیسری دلیل یہ ہے کہ بقول ان کے:

"یہ عقد صرف ہے، جس میں مجلس میں قبضہ ضروری ہوتا ہے اور یہاں یہ شرط مفقود ہے"

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا، استاد ابوزہرہ کی زیر نظر دلیل بھی انشورنس (بیمہ) کی مروجہ دیگر اقسام سے متعلق ہے (خاص طور پر اس صورت میں کہ جب بیمہ دار اپنی میعاد پوری کرے اور رقم کے بدلے رقم وصول کرے)، جبکہ زیر بحث صورت میں تو اس کا کوئی امکان ہی نہیں، اس لیے کہ یہاں "مدت ملازمت" بخیر و عافیت پوری ہو جانے کی صورت میں "بیمہ دار" کو کچھ نہیں ملتا، البتہ مرحوم ہو جانے کی صورت میں وارثوں کو ضرور ملتا ہے۔ مگر وہ محض ان کے سرپرست کی جمع شدہ پونجی نہیں، بلکہ اس میں اس کے دیگر رفقائے کار کی جانب سے بطور احسان و تبرع جمع کردہ رقم بھی شامل ہوتی ہے، یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کسی مستحق فرد کی امداد واعانت کے لیے چندہ کیا جائے اور جس میں اس خاندان کے لوگ بھی حصہ ڈالیں اور بعد ازاں وہ رقم مستحق فرد کو سونپ دی جائے، اس صورت میں عقد صرف والی کوئی بات نہیں، کیونکہ یہاں "تبادلۂ مال بالمال" نہیں، بلکہ یہ تو ان کے مرحوم سرپرست اور اس کے دیگر رفقائے کار کا جمع کردہ فنڈ ہے، جس سے ایک مقررہ تعداد میں رقم "پس ماندگان" کو ادا کر دی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت "عقد صرف" والی قطعاً نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۔ استاد ابو زہرہ کے مطابق یہ عقیدۂ تقدیر کے منافی ہے کیونکہ :

"عقیدۂ تقدیر پر ایمان کا تقاضا ہے کہ پیش آنے والے حوادث اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیے جائیں، اور یہاں بیمہ کرنے والے اس عقیدہ سے فرار کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ پہلے سے حوادث و موت کی پیش بندیاں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں"

اسی بات کو یوں بھی بیان کیا جاتا ہے، کہ یہ بات توکل کے خلاف ہے۔ جیسا کہ فاضل اپیل کنندہ نے اپنی اپیل میں "گروپ لائف انشورنس کے خلاف اپنی اپیل میں یہی بات لکھی ہے، لیکن ہمارے خیال میں یہ دلیل بھی اتنی وزنی نہیں ہے۔ کہ اس کی بنیاد پر اس کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا جائے، کیونکہ موت سے پیش آنے والے مصائب و مسائل کی پیش بندی کرنا "کسی طرح سے بھی نہ تو عقیدۂ تقدیر کے منافی ہے اور نہ ہی تصوّر توکل کے خلاف ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ نظام "اسباب و وسائل" کے باب میں سے ہے اور کسی شئی کے اسباب و وسائل مہیا کرنا نہ تو عقیدۂ تقدیر کے منافی ہے اور نہ ہی تصوّرِ توکّل کے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ "توکّل" کا لفظ و۔ک۔ل سے مشتق ہے، جس کے معنیٰ ہیں : اعتماد، بھروسہ :

قرآن مجید میں یہ لفظ متعدد مقامات پر مستعمل ہوا ہے، مثال کے طور پر ایک مقام پر ہے :

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط
إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ [1]

(اور تم حکومت کے معاملات میں (مسلمانوں سے مشورہ کرو۔ اور (مشورے کے نتیجے میں) جب کسی بات کا پکا ارادہ کر لو، تو پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرو)

دوسری جگہ فرمایا :

وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۙ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ [2]

---

[1] آل عمران، ۱۵۸

[2] الاحزاب۔ ۲، ۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(اور تم اے پیغمبرؑ پیروی کرو، اس چیز کی، جو تم پر تمہارے رب کی طرف سے وحی کی گئی ہے، بے شک اللہ خبردار ہے ان کاموں سے جو تم کرتے ہو اور تم خدا پر توکل کرو۔)

اس کے علاوہ سورۂ آل عمران (آیت ۱۲۱) سورۂ یونس (آیت ۵)، سورۂ ہود (آیت ۸۸) سورۂ یوسف (آیت ۶۰) سورۂ ابراہیم (آیت ۱۲) سورۂ النحل (آیت ۴۲) اور سورۂ العنکبوت (آیت ۵۹، ۵۸) میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

ان آیات پر غور و فکر کرنے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں یہ لفظ بقدر وسعت مشاورت لینے کے بعد، یا وسائل اسباب مہیا کرنے کے بعد نتائج و ثمرات خدا پر چھوڑ دینے اور اسی کی ذات پر اعتماد کے مفہوم میں مستعمل ہوا ہے، اور کسی مقام پر توکل کا مفہوم اسباب و وسائل کو نظر انداز کرنا نہیں، اسی لیے راسخوں نے ہمیشہ توکل کے اسی مفہوم کو واضح کیا ہے، مثال کے طور پر امام ابوحامد الغزالی (م ۵۰۵ھ)، اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقد يظن انّ معنى التّوكّل ترك الكسب بالبدن وترك التدبير بالقلب والسقوط على الارض كالخرقة الملقاة وكاللّحم على الوضم وهذا ظنّ الجهال فانّ ذالك حرام في الشّرع [1]

(بعض لوگوں کا گمان ہے کہ توکل کے معنی یہ ہیں کہ انسان ہاتھ سے عمل کرنا اور دل سے تدبیر کرنا چھوڑ دے، اور کسی زمین پر پڑے ہوئے چیتھڑے اور کندے پر رکھے ہوئے گوشت کی طرح زمین پر پڑا رہے یہ جاہل لوگوں کا گمان ہے اور ایسا کرنا شریعت میں حرام ہے۔

اسی طرح مشہور صوفی عالم ابوالقاسم عبدالکریم القشیری (م ۴۶۵ھ/۱۰۷۳ء) اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں:

---

[1] احیاء العلوم، ۴: ۲۲۸، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۴۶ھ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان التوکّل محلّہُ القلب والحرکۃ بالظاہر لاتنافی التوکل بالقلب۔ بعد ما تحقق العبد ان التقدیر من قبل اللہ تعالیٰ[1]

(بلاشبہ توکل کا مقام تو دل ہے اور ظاہری اعضاء کی حرکت قطعاً قلبی توکل کے منافی نہیں ہے۔ بعد اس کے کہ بندے پر یہ بات ثابت ہو جائے کہ تقدیر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہی ہے۔)

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ کہنا کہ اپنے اہل خاندان کی بہتری اور بھلائی کے لیے سوچنا اور ان کے لیے کوئی پروگرام تشکیل دینا توکل کے منافی ہے، درست نہیں ہے۔ بلکہ اگر انسان کا اپنی زندگی میں روزی کمانے کے لیے محنت کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے، تو اپنے اہل خاندان، یا معاشرے کے ضرورت مند خاندانوں کی کفالت کا قبل از وقت کوئی پروگرام بنانا کوئی فنڈ قائم کرنا کس طرح توکل کے منافی ہو سکتا ہے؟

احادیث نبویہ سے استشہاد

علاوہ ازیں خود احادیث نبویہ میں اپنے "اہل خانہ" کے مستقبل کو ملحوظ خاطر رکھنے کی واضح ہدایات ملتی ہیں، اس ضمن میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی حدیث، جسے تمام محدثین نے روایت کیا ہے اور جو حضرت سعد بن ابی وقاص کے شاگردوں کی حد تک، حد شہرت کو پہنچی ہوئی ہے۔ پیش نظر رکھی جا سکتی ہے، جس میں وہ اپنا یہ واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ فتح مکہ کے وقت بیمار پڑ گئے تھے اور اپنی زندگی سے ناامید ہو گئے تھے۔ تو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے آئے تو انہوں نے عرض کیا کہ ان کے پاس بہت سا مال ہے اور فقط ایک بیٹی وارث ہے، تو کیا وہ سارا مال وقف کر جائیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فقط ایک تہائی مال صدقہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور پھر فرمایا:

انك ان تدع ورثتك اغنياء خير من ان تدعهم عالة

---

[1] الرسالۃ للقشیریہ، مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۳۰ھ۔ ص ۷۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یتکففون النّاس وانّك لن تنفق نفقۃً تبتغی بھا وجہ اللہ الا اُجرت فیھا حتّی اللقمۃ ترفعھا الی فی امرءتك[۱]

(اگر تو اپنے وارثوں کو غنی (مالدار) چھوڑ کر جائے، تو وہ اس سے بہتر ہے کہ تو انہیں محتاج بنا کر چھوڑے کہ وہ لوگوں سے سوال کریں اور تو رضائے خداوندی کے لیے جو بھی کوئی شیٔ خرچ کرے گا اس پر تجھے اجر ملے گا، حتّٰی کہ اس لقمے پر بھی جو تو اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ سے فرمایا تھا:

انّ امرکن ممّا یھمّنی بعدی ولن یصبر علیکن الّا الصّابرون[۱]

(تمہارا معاملہ، میرے بعد میرے لیے باعث تشویش ہے اور تم میں سے ان حالات پر صابر ہی ثابت قدم رہ سکتے ہیں)۔

جس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ "فکرِ فردا" نہ تو اسلام کی مجموعی تعلیمات کے منافی ہے اور نہ ہی تصوّرِ توکل کے، اس کے برعکس، اہلِ اسلام کو اس کی ہدایت اور تاکید کی گئی ہے۔

۶۔ اس میں سودی عنصر کا شامل ہونا

"گروپ لائف انشورنس" پر ایک اور اعتراض یہ ہے۔ کہ اس میں سودی عنصر شامل ہے، کیونکہ، جو رقم حکومت یا انشورنس کمپنی وصول کرتی ہے۔ وہ اسے آگے سود پر دے دیتی ہے، اور اس کا منافع یعنی سود بھی اسی فنڈ میں جمع ہوتا رہتا ہے۔

---

[۱] ترمذی، ابواب المناقب، عبد الرحمٰن بن عوف، ۲: ۳۰۳، اس سے آگے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ نے عبد الرحمٰن بن عوف کے حق میں دعا فرمائی، کیونکہ انہوں نے چالیس ہزار درہم کے ساتھ بیت نبوی کی خبرگیری کی تھی، دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے حضرت حذیفہ رضؓ کو اہلِ بیت نبوی کے لیے چار سو ہزار (چالیس لاکھ) درہم دینے کی وصیت فرمائی تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارے خیال میں "گروپ لائف انشورنس" پر یہ اعتراض بجا اور درست ہے۔ کیونکہ اس بارے میں قطعاً کسی تشریح کی ضرورت نہیں کہ حکومت "بیمہ" کے سلسلے میں حاصل ہونیوالی رقم سودی طریقے سے بڑھاتی ہے اور یہ کہ "سود" یعنی ربوا ہر صورت میں حرام قطعی ہے۔ اس کی حرمت میں نہ تو کوئی اشتباہ ہے اور نہ ہی کوئی ابہام۔

مصر کے نامور عالم دین استاد مصطفیٰ الزرقا نے اپنی کتاب "المدخل الفقہی العام (مطبوعہ دمشق، ۱۹۶۲ء) اور بعد ازاں دمشق کے مجلہ "حضارۃ الاسلام" کے صفحات پر" عقد التامین وموقف الشریعہ" کے نام سے جو مدلل مضمون نواح ۱۹۶۰ء میں تحریر کیا تھا، اس میں بھی انہوں نے یہی موقف اختیار کیا تھا۔ کہ اگر "بیمہ" سے "ربوا" یعنی سود کا عنصر ختم کر دیا جائے، تو اس میں کوئی قباحت نہیں رہ جاتی ہمارے خیال میں یہ رائے معتدل ہونے کے ساتھ ساتھ دور حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ بھی ہے۔

تاہم کیا "گروپ لائف انشورنس" میں سودی عنصر شامل ہو جانے سے اس سے استفادہ کرنا حرام ہو جاتا ہے؟ اور جب تک یہ سودی نظام تبدیل نہیں ہوتا۔ اس وقت تک اس نظام سے فائدہ اٹھانا حرام رہے گا؟ ہمارے خیال میں یہ مسئلہ خاص توجہ اور غور و فکر کا محتاج ہے اور اس پر سرسری نظر سے حرمت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت "حکومت وقت" کا تمام نظام سودی طریقے پر استوار ہے۔ حتیٰ کہ حکومت سرکاری ملازمین کو جو تنخواہیں، وظائف اور واجبات ادا کرتی ہے۔ اس میں سود سمیت بہت سے حرام اور ناجائز طریقوں کی آمدن شامل ہوتی ہے، جن کی تفصیل میں گفتنی اور ناگفتنی دونوں ذرائع شامل ہیں، بلکہ سابق حکومت کے زمانے سے حکومت بینکوں کے ذریعے لوگوں سے جو زکوٰۃ وصول کرتی ہے، قطع نظر اس طریقے کے جواز و عدم جواز کے، قومی بینکوں میں اس رقم کو بھی سودی کھاتوں میں رکھا جاتا ہے اور اس سے بھی سودی طریقے سے کمائی کی جاتی ہے، تو کیا اس سے تمام آمدنی حرام ہو جاتی ہے؟ ان حالات میں فیصلہ کرنے کے لیے ہمیں اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ:

اولاً: ملازمین کی تنخواہوں سے جو رقم وضع کی جاتی ہے، اس کی مقدار کیا ہوتی ہے؟

ثانیاً: حادثات اور اموات کی صورت میں ملازمین کے اہل خانہ کو جو امداد دی جاتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی مقدار کیا ہوتی ہے؟

اور میں پورے وثوق سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ سودی آمدن کو علیحدہ کر کے، کسی بھی محکمہ کے اگر اعداد و شمار سامنے رکھے جائیں، تو یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ حاصل ہونے والی رقوم، ادا کی جانے والی رقوم سے کہیں زیادہ ہیں، لہٰذا اس کی حرمت کا حکم صادر نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں جیسا کہ سطور بالا میں بیان ہوا، اس وقت ہمارے مالی نظام کا جو مجموعی ڈھانچہ ہے وہ از سرتاپا سود پر استوار ہے، تو اگر اسی بنیاد پر فیصلہ صادر کیا جانے لگے تو کسی بھی سرکاری اور نیم سرکاری ملازم کی تنخواہ اور دیگر واجبات حلال نہیں رہتے۔

پھر جیسا کہ مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے اس سوال کے جواب میں" کہ اگر بیمہ دار مندرجہ اقسام بیمہ سے کسی میں سود لینے سے بالکل محترز رہے اور اپنی اصل رقم کی واپسی چاہتا ہے، تو کیا یہ معاملہ جائز ہو سکتا ہے، لکھا ہے، کہ:

"جائز ہے صرف اتنی قباحت ہے، کہ اس کے روپیہ سے سود و قمار کا معاملہ کرنے والوں کو کسی نہ کسی درجہ میں امداد ہوتی ہے۔ اگرچہ سبب بعید ہونے کے سبب اس کو حرام نہ کیا جائے گا کیونکہ یہاں سود و قمار کا معاملہ کرنے والے دوسرے لوگ ہیں، جن میں یہ شامل نہیں اور نہ اس کا روپیہ ان کے فعل حرام کے لیے خاص طور پر محرک اور داعی بنا ہے، ہاں غیر ارادی طور پر اس کے روپیہ سے ان کی امداد ہو گئی، اس طرح کے "تسبب للمعصیت" کو حرام نہیں کہا جا سکتا، البتہ خلاف اولیٰ ضرور ہے، جس کی تعبیر فقہا کی اصطلاح میں مکروہ تنزیہی سے کی جاتی ہے، جیسے فاسق بدکار یا فاحشہ کے ہاتھ کی تیار کردہ کھانے پینے کی چیزیں یا لباس اور زینت کی اشیاء فروخت کرنا جن سے وہ اپنے فسق و فجور سے کام لیتے ہیں، حرام صرف وہ تسبب ہے، جو معصیت کے لیے بطور خاص محرک اور داعی ہو، جیسے قرآن کریم میں عورتوں کو پاؤں زمین میں اس طرح مارنے کی ممانعت ہے، جس سے ان کا زیور بجے اور غیر محرم مردوں کی نظریں اس کی طرف متوجہ ہو کر نظر بد کے لیے محرک بنیں"۔ "یا کفار کے معبودوں کو برا کہنے کی ممانعت اس لیے آئی ہے، کہ وہ کفار کے لیے اللہ جل شانہ، کی شان میں گستاخی کی محرک اور داعی بنے گی، اسی فرق کو فقہاء حضرات نے کہیں سبب قریب و بعید کے عنوان سے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہیں "قامت المعصیۃ بعینہ وبغیرہ" کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔

۷۔ اس میں جبر واکراہ کے عنصر کا شامل ہونا

انشورنس کی تمام اقسام پر مشترکہ طور پر یہ اعتراض بھی وارد ہوتا ہے، کہ اس میں "جبر واکراہ" کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے، جس کی بنا پر اس کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ مفتی محمد شفیع "اپنی کتاب" "بیمۂ زندگی" میں اس عنوان پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"تینوں قسموں کے بیموں میں جو یہ شرط ہے کہ جو شخص کچھ رقم بیمہ پالیسی کی جمع کرنے کے بعد باقی قسطوں کی ادائیگی بند کر دے، اس کی جمع کردہ رقم سوخت ہو جاتی ہے، یہ شرط خلاف شرع اور ناجائز ہے قواعد شرعیہ کی رو سے اس کو تکمیل معاہدہ پر مجبور تو کیا جاسکتا ہے اور عدم تعمیل کی صورت میں اس کو کوئی تعزیری سزا بھی دی جاسکتی ہے، مگر ادا کردہ رقم کو اس جرمانہ میں ضبط کر لینا جائز نہیں ہوسکتا۔"[1]

جیسا کہ ابتداً عرض کیا جاچکا ہے، مفتی محمد شفیع قدس سرہٗ غیرہم نے "بیمہ" کی بعض اقسام کو سامنے رکھ کر بحث کی ہے۔ ان میں ہماری زیر بحث صورت، یعنی "گروپ لائف انشورنس" نہیں ہے، اس لیے اس پہلو سے یہ اعتراض لغو قرار پاتا ہے، لیکن چونکہ، اس پہلو سے نہ سہی کسی دوسرے پہلو سے سہی "جبر واکراہ" کا عنصر اس میں بھی شامل ہے کیونکہ اس میں ہر ملازم کی تنخواہ میں سے ایک مقررہ مقدار میں حکومت کچھ رقم ازخود وضع کر لیتی ہے۔ جیسا کہ فاضل مدعی نے اس پر اس پہلو سے بھی اعتراض کیا ہے، تاہم فاضل اپیل کنندہ نے اس موقع پر قرآن کریم کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے، یعنی سورۃ البقرہ کی آیت کا، اس زیر بحث جبر واکراہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، مذکورہ آیت میں جس جبر واکراہ کی نفی کی گئی ہے، وہ "دین" کے معاملے میں ہے۔

زیر بحث صورت پر قرآن مجید کی وہ آیات صادق آتی ہیں، جن میں ناجائز طریقے سے دوسروں کا مال لینے سے منع کیا گیا ہے مثلاً قرآن مجید میں ہے:

---

[1] بیمۂ زندگی، ص ۱۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ [1]

(اے ایمان والو نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال ناحق الا یہ کہ وہ آپس کی رضا مندی سے تجارت کا لین دین ہو، " اور اس سے مالی فائدہ ہو جائے تو وہ جائز ہے)۔

دوسری جگہ فرمایا :

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ [2]

(اور تم ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ)

جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے اس اصول و ضابطے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا :

ان دماءكم وأموالكم واعراضكم حرام عليكم كحرمت يومكم هذا في بلدكم هذا في شهركم هذا [3]

(بے شک تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری عزتیں، تم پر اس طرح حرام ومحترم ہیں، جس طرح آج کا یہ دن (نو ذوالحجہ) یہ شہر (مکۃ المکرمہ) اور یہ مہینہ (ذوالحجہ) محترم ہیں۔

چنانچہ اس جبری طریقے سے حاصل کردہ مال کو شرعاً مغصوب اور اس فعل کو "غصب" کہا جاتا ہے۔ تاہم دیکھنا یہ ہے کہ آیا زیر نظر صورت پر مذکورہ "جبر و اکراہ" اور "غصب" کا اطلاق درست ہے یا نہیں۔ ہمارے خیال میں اگر دو باتوں کو سامنے رکھا جائے، تو اس جواب نفی میں ملتا ہے :

---

1. النساء - ۲۹ -
2. البقرہ - ۱۸۸ -
3. البلاذری انساب الاشراف ۱ : ۳۶۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ اولاً: باہمی معاہدہ۔
۲۔ ثانیاً: کفالت عمومی کے لیے، اسلام کے حکومت کو عطا کردہ اختیارات:
اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ باہمی معاہدہ

بیمہ کی تمام اقسام میں بیمہ دار اور کمپنی کے مابین ایک معاہدہ طے پاتا ہے جس کی شرائط میں واضح طور پر یہ بات شامل ہوتی ہے کہ اگر کوئی بیمہ دار پوری اقساط نہیں دے گا، تو اس کی سابق تمام رقم بحق کمپنی ضبط ہو جائے گی جبکہ زیر بحث صورت میں ایسا کوئی معاہدہ نہیں ہوتا، تاہم حکومت نے سرکاری و نیم سرکاری ملازمین کے لیے جو قوانین وضع کیے ہیں اور جو ملک میں عموماً اور ملازمین میں خصوصاً مشہور و متداول ہیں۔ انمیں یہ بات لازمی شرط کے طور پر شامل کی گئی ہے کہ سرکاری و نیم سرکاری ملازم کیلیے لازم ہے کہ وہ "گروپ لائف انشورنس" کی اس اسکیم میں شامل ہو، پھر چونکہ ہر شخص اپنی مرضی اور اختیار سے ملازمت کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور باقاعدہ درخواست لکھ کر یا فارم پر کر کے ملازمت حاصل کرتا ہے، جس میں گویا وہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اسے اس محکمہ کے تمام قوانین کی پابندی قبول ہے، اور ملازمت حاصل کرنے کے بعد بھی، ماسوا چند لازمی سروسز کے اسے ملازمت چھوڑنے یا اسے جاری رکھنے کا اختیار باقی ہے، گویا بایں معنی اسے معاہدہ کرنے یا نہ کرنے اور اسے جاری رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار حاصل رہتا ہے، لہذا اس پہلو سے اسے جبر و اکراہ کی تعریف میں شامل نہیں کیا جا سکتا، اور پھر چونکہ یہ کٹوتی حکومت خود کرتی ہے، اور حکومت کو جیسا کہ ہم آئندہ ذکر کریں گے "کفالت اجتماعی" کے لیے بعض صورتوں میں جبر کرنے کا حق بھی حاصل ہے لہذا یہ اعتراض بھی کوئی وزن نہیں رکھتا۔

۲۔ کفالت عامہ کے لیے اسلام کے حکومت کو عطا کردہ اختیارات

پھر اس بات کو بھی مدنظر رکھا جائے، کہ اسلام میں کفالت عمومی، یعنی غربا، مساکین اور ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنے کیلیے حکومت کو بعض ہنگامی یا خصوصی اختیارات حاصل ہیں، اس سلسلے میں، قرآن مجید، احادیث نبویہ اور آثار صحابہؓ و تابعین میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثال کے طور پر قرآن مجید میں ہے :

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ [1]

(کہ تم دوزخ میں کیوں پڑے وہ جواب دیں گے، کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ فقیروں کو کھانا کھلاتے تھے۔

مشہور محدث ابن حزم اس پر یہ اضافہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسکین کے کھانا کھلانے کو نماز پڑھنے کے ساتھ ملحق کر دیا ہے [2]

جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

لا یرحم اللہ من لم یرحم الناس [3]

(اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا، جو لوگوں پر رحم نہ کرے)۔

ابن حزم اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

من کان علی فضلۃٍ ورای المسلم اخاہ جائعاً عریاناً ضایعاً فلم یغثہ فما رحمہٗ بلاشک [4]

(جس شخص کے پاس کچھ مال ہو، اور وہ اپنے مسلمان بھائی کو بھوکا، ننگا اور ضرورت مند پائے اور اس کی مدد نہ کرے، تو خدا تعالیٰ یقیناً اس پر رحم نہیں کرے گا)۔

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے :

المسلم اخو المسلم لا یَظْلِمہ ولا یُسلمہ [5]

---

[1] المدثر ۔ ۴۲۔۴۴ اس ضمن میں سورہ الذاریات کی آیت ۱۹ اور سورہ الماعون بھی پیش نظر رہے۔

[2] المحلّیٰ، ۶ : ۱۵۷۔

[3] البخاری، کتاب التوحید، باب ۲، فضائل، باب ۶۶، مسند احمد بن حنبل، ۴-۳

[4] المحلّیٰ ۔ ۶ : ۱۵۷۔

[5] البخاری ا ۔ ۳۳۰، مسند احمد، ۲ ۔ ۹۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(مسلمان مسلمان کا بھائی ہے ، نہ اس پر ظلم کرتا ہے ۔ نہ اس سے مال چھینتا ہے) ۔

ابن حزم اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"جس شخص نے مسلمان بھائی کو بھوکا اور ننگا رہنے دیا ، جبکہ وہ اس کو کھانا کھلانے اور کپڑا پہنانے پر قدرت رکھتا ہو ، تو اس نے بلا شبہ اس کو لوٹ لیا"[1]

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضؓ سے ایک روایت میں ، جو بقول ابن حزم انتہائی صحیح روایت ہے ، یہ نقل کیا گیا ہے کہ :

لو استقبلت من امری ما استدبرت لاخذت فضول احوال الاغنياء فقسمتها على فقراء المهاجرين[2]

(اگر مجھے ان حالات کا علم ہوتا جو بعد میں پیش آئے ، تو میں مالداروں سے اضافی مال لے کر فقرائے مہاجرین میں تقسیم کر دیتا) ۔

جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے :

فی مالك حق سوى الزكوة[3]

(تیرے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی (دوسروں) کا حق ہے) ۔

اسی طرح" امام شعبی " مجاہدؒ ، طاؤس وغیرہ تابعین کا قول ہے :

فی المال حق سوای الزکواۃ[4]

(مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی (دوسروں کا) حق ہے) ۔

جبکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں :

انّ الله فرض علی الاغنياء بقدر ما يكفی فقراء هم فان

---

[1] المحلی ، ۶ ۔ ۱۵۷

[2] ایضاً ، ۶ ۔ ۱۵۸

[3] ایضاً ۔ محل مذکور ۔

[4] المحلی ۔ ۶ ۔ ۱۵۷ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاعوا او عروا وجهدوا فبصنع الاغنياء وحق اللّٰہ تعالیٰ ان يحاسبهم يوم القيامة و يعذبهم عليه [1]

(بے شک اللہ تعالیٰ نے اغنیاء پر اتنا مال دینا فرض کیا ہے، جو فقراء (ضرورت مندوں) کی ضرورت کو کافی ہو سکے، پھر اگر فقیر لوگ بھوکے یا ننگے رہے اور جہد و مشقت میں رہے، تو اس کی ذمہ داری اغنیاء پر ہوگی اور اللہ تعالیٰ کو یہ حق ہوگا، کہ ان کا قیامت کے دن محاسبہ کرے اور انہیں عذاب دے)۔

ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد امام ابن حزم (م ۴۵۶ ھ) فرماتے ہیں:

وفرض على الاغنياء من اهل كل بلد ان يقوموا بفقرائهم ويجبرهم السلطان على ذالك ان لم تقم الزكوٰة بهم ولا سائر اموال المسلمين بهم. فيقام لهم بما يأكلون من القوت الذى لا بدّ له منه ومن اللباس للشتاء والصيف بمثل ذالك وبسكن يكفهم من المطر والصيف والشمس وعيون المارة [2]

(ہر شہر کے مال دار لوگوں پر یہ فرض ہے کہ وہ وہاں کے فقراء کی ضرورتیں پوری کریں اور اگر زکوٰۃ اور مسلمانوں کے دیگر ذرائع مل کر ان کی ضرورتیں پوری نہ کر سکتے ہوں۔ تو سلطان ان پر جبر کرے اور فقراء کو ایسی خوراک، جو جسم انسانی کے لیے ضروری ہے اور سردی، گرمی کا لباس اور ایسا مکان جو انہیں بارش گرمی اور دھوپ وغیرہ سے بچا سکے، انہیں مہیا کرے)۔

یہاں اس تمام تفصیل کے بیان کرنے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اسلام نے عوام اور ملک کے مفاد میں حکومت وقت کو بعض ایسے اختیارات بھی تفویض کیے ہیں۔ جن کا مقصد

---

[1] المحلی۔ ۶۔ ۱۵۷۔

[2] ایضاً: ۶۔ ۱۵۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عوام اور ملک کی ضروریات کی کفالت کرنا ہوتا ہے، یہاں اگرچہ مسئلے کی یہ نوعیت نہیں ہے۔ البتہ اس سے اس موقف کے حق میں استدلال ضرور کیا جاتا ہے، کیونکہ یہاں بھی بنیادی مقصد ایک خاندان کو فقر و فاقہ اور احتیاج سے بچانا ہے، اس لیے ہمارے خیال میں حکومت کو اس مقصد کے لیے جبری کٹوتی کا حق حاصل ہے۔

پھر چونکہ تنخواہ بھی حکومت وقت دیتی ہے اور یہ کٹوتی بھی حکومت ہی اپنے قوانین کے تحت کرتی ہے، لہٰذا یہی سمجھا جائے گا۔ کہ یہ منہا شدہ رقم اس کی تنخواہ میں شامل ہی نہ تھی۔

۴۔ گروپ لائف انشورنس کے جواز کے دلائل

تمہیدی بحث دلائل جواز پر گفتگو شروع کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تمہیدی طور پر چند باتوں کو سامنے رکھا جائے تاکہ اس پر غور و خوض کرنے میں آسانی ہو:

۱۔ اچانک موت یا جوانی کی موت مرنے والے کے خاندان کا خصوصی لطف و کرم کا مستحق ہونا:

قرآن و سنت پر غور و فکر کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اچانک یا جوانی کی موت مرنے والے افراد کے حکومت / معاشرے پر خصوصی حقوق ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن مجید میں یتیموں کے خصوصی حقوق کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ
اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْكِيْنًا
ذَا مَتْرَبَةٍ۔ [1]

(مگر وہ گھاٹی سے ہو کر نہ گزرا اور آپ کیا جانیں، کہ وہ وہ گھاٹی کیا ہے، کسی کی گردن چھڑانا، یا بھوک کے دن کھانا کھلانا یتیم رشتہ دار کو، یا فقیر خاک سار کو،

---

[1] البلد، ۱۱ تا ۱۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا :

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ [1]

(بھلا تو نے اس شخص کو دیکھا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے ، یہ وہی (شخص) ہے ، جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور فقیر کو کھانا کھلانے کے لیے (لوگوں کو) ترغیب نہیں دیتا)

اور یتیم اس فرد کا نام ہے ، جو "بلوغ" سے پہلے شفقت پدری سے محروم ہو ـــــ ـــــ جائے تو گویا ایسا شخص معاشرے کی جانب سے خصوصی توجہ کا مستحق اور محتاج ہے ، جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیم کے ساتھ حسن سلوک کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے ، مثال کے طور پر ایک حدیث میں ہے :

انا وکافل الیتیم کھاتین واشار باصبعیہ یعنی السبابۃ والوسطی [2]

(میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا ان دو انگلیوں کی طرح ہوگا ۔ آپ نے اپنی دو دو انگلیوں یعنی سبابہ اور وسطی کے ساتھ اشارہ کیا ۔

دوسری حدیث میں ہے کہ :

من قبض یتیماً من بین مسلمین الی طعامہ وشرابہ ادخلہ اللہ الجنۃ البتۃ الا ان یعمل ذنباً لا یغفر لہ [3]

(جو شخص مسلمانوں میں سے کسی یتیم کو کھانا کھلائے یا پانی پلائے ۔ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا ، اِلّا یہ کہ وہ کوئی ایسا گناہ کرے جو قابل معافی نہ ہو)

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوہ کی کفالت کی بھی خصوصی تاکید فرمائی ہے ۔ آپ فرماتے ہیں :

---

[1] الماعون ۔ ا تا ۳

[2] الترمذی : ابواب البر ، باب ۱۴ فی رحمۃ الیتیم وکفالتہ ۔

[3] الترمذی ، بمحل مذکور ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الساعی علی الارملة والمسکین کالمجاھد فی سبیل اللہ او کالذی یصوم النھار ویقوم اللیل [1]

(جو شخص بیوہ اور مسکین کے لیے کوشش کرتا ہے، وہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی خدا کی راہ میں جہاد کرنے والا مجاہد یا دن کو روزہ رکھنے اور رات کو نماز پڑھنے والا عابد۔

اسی لیے مال غنیمت میں سے خمس ۱/۵ میں بھی یتیموں کا حصہ رکھا گیا ہے۔ علاوہ ازیں مرنے والے پر اگر کوئی قرض وغیرہ ہو، تو ان کی ادائیگی بھی معاشرے اور حکومت کی ذمہ داری بیان فرمائی گئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا اولی بالمؤمنین من انفسھم فمن مات وترک مالاً فمالہ لموالی العصبة ومن ترک کلاً او ضیاعاً فانا ولیہ [2]

(میں مسلمانوں پر، اُن کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتا ہوں، پس جو شخص مرجائے اور پیچھے کچھ مال چھوڑ جائے، تو وہ اس کے وارثوں کا حق ہے اور جو شخص قرض یا عیال (چھوٹے بچے) چھوڑ جائے، تو میں اس کا ولی (سرپرست) ہوں۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

ومن ترک دیناً ولم یترک وفاءً فعلینا قضاؤہ [3]

(جو شخص قرض چھوڑ جائے اور اس کی ادائیگی کا کوئی ذریعہ نہ ہو، تو اس کی ادائیگی ہمارے ذمہ ہے)۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتداءً یہ معمول تھا کہ جب کوئی جنازہ آتا تو آپ پوچھتے کہ اس پر کوئی قرض تو نہیں، اگر قرض ہوتا، تو آپ اس وقت تک جنازہ نہ پڑھاتے جب تک کہ اس کا قرض نہ اتر جاتا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر فتوحات کا

---

[1] الترمذی۔ ابواب البر، باب ۴۴، ۳۵۶۔
[2] البخاری، الفرائض۔ ۴ : ۲۸۴۔
[3] البخاری، الفرائض۔ ص، ۴ ۲۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دروازہ کھولا، تو آپ نے اعلان کر دیا کہ میں مسلمانوں پر۔ ان کی جان سے بھی زیادہ حق رکھتا ہوں پس جو شخص مر جائے اور اس پر کوئی قرض ہو، تو اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور جو شخص ترکہ چھوڑ جائے، وہ اس کے ورثاء کے لیے" [1]

اسی طرح یہ واقعہ تو مشہور ہی ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کام کاج کی زیادتی کی وجہ سے پریشان تھیں، اس اثناء میں پتہ چلا کہ آنحضور کے پاس کچھ غلام آئے ہیں چنانچہ وہ اور ام حکم بنت الزبیر اور ضباعۃ بنت الزبیر آپ کی خدمت میں درخواست کرنے پہنچیں اور آپ کی خدمت میں ماجرا عرض کیا، تو آپ نے فرمایا "یتامیٰ بدر" (بدر کے یتیموں) کا معاملہ تم سے مقدم ہے" (سبقکن یتامیٰ بدر) [2]

جس سے یہ بات پوری طرح ثابت ہو جاتی ہے، کہ مرنے والے کے اہل خانہ معاشرے پر خصوصی حق رکھتے ہیں، کہ معاشرہ ان کی دیکھ بھال اور کفالت کا اہتمام کرے۔ اسلام نے اس کے لیے نظام زکوٰۃ و صدقات قائم کیا ہے، تاہم ان کا حق صرف زکوٰۃ اور واجب صدقات تک ہی محدود نہیں، اس کے علاوہ بھی اگر کبھی کسی کو کوئی ضرورت پیش آئے۔ تو معاشرہ انکی ضروریات پوری کرنے کا ذمہ دار ہے۔ اس بارے میں قرآنی آیت:

وَفِی اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ [3]

(اور ان کے مال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے دونوں کا حق ہوتا ہے)

سے استدلال کرتے ہوئے فقہاء اور مفسرین نے لکھا ہے کہ اس ضمن میں حکومت جبراً بھی اغنیاء اور دولت مندوں سے عطیات وصول کر سکتی ہے [4]

۲۔ الدّین النصیحۃ: کا اقتضاء

علاوہ ازیں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ دین تو مکمل طور پر دوسروں کی خیر خواہی

---

[1] ابن ماجہ: ۲: ۱۴ کتاب الوصیۃ

[2] ابن الاثیر: اسد الغابۃ، ترجمہ ام حکم بنت الزبیر بن عبد المطلب، ۵: ۵۷۵-۵۷۶، مطبوعہ تہران

[3] الذاریات، آیت ۱۹۔

[4] ابن حزم الاندلسی: المحلی، دار الفکر بیروت، ۶-۲۲۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور بھلائی سے عبارت ہے، بخاری شریف اور دیگر کتب حدیث میں فرمان نبوی یوں نقل ہوا ہے:

الدین النصیحۃ قلنا لمن قال للّٰہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین ولعامتھم لے

(دین تو خیر خواہی اور بھلائی چاہنے کا نام ہے، ہم نے پوچھا کس کی، فرمایا اللہ اس کے رسول، مسلمانوں کے ائمہ (قائدین) اور عام مسلمانوں کی)۔

لہٰذا کوئی ایسا معاملہ جس میں دوسرے مسلمانوں کا بھلا اور فائدہ نکلتا ہو، اس فرمان نبوی کے مطابق جائز ہی نہیں، بلکہ عین مناسب اور بہتر ہے۔

۳۔ قرآن مجید کی ایک آیت کا اقتضاء

قرآن حکیم کی ایک آیت مبارکہ، جو اگرچہ یتیم کے مال کی حرمت اور ممانعت بیان کرنے کے لیے وارد ہوئی ہے، ضمنی طور پر، ان کے ساتھ بھلائی اور مہر و محبت کی طرف بھی بڑے ہی لطیف پیرائے میں اشارہ کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ ۖ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۲ے

(اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو (ایسی حالت میں ہوں کہ) اپنے بعد ننھے ننھے بچے چھوڑ جائیں اور ان کی نسبت خوف ہو کہ ان کے مرنے کے بعد ان بیچاروں کا کیا حال ہو گا، پس چاہیے کہ یہ لوگ خدا سے ڈریں اور معقول بات کہیں)۔

۴۔ عام انشورنس اور گروپ لائف انشورنس کے مابین تفاوت

پھر جیسا کہ ہم اوپر اس کی ممانعت کے دلائل پر بحث کرتے ہوئے، بیان کر آئے ہیں۔ کہ عام انشورنس اور زیر نظر "گروپ لائف انشورنس" (سرکاری ملازمین کے حوالہ سے) میں زمین و آسمان کا فرق ہے،

لے البخاری، کتاب الایمان - باب ۴۲۴ -

۲ے النساء - ۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عام انشورنس صرف ایک کاروبار یا منفعت کمانے کا ایک ذریعہ ہے، جبکہ حکومت کے ملازمین کی انشورنس میں ایسی کوئی بات نہیں ہوتی، بلکہ یہ تو اس شعبے یا اس ادارے میں کام کرنے والوں کا ایک "بہبود عامہ" کا ایک مشترکہ فنڈ ہے۔ جس میں سے مستحق خاندان کی مالی امداد کی جاتی ہے، اسی طرح اوپر دونوں کے مابین جو دوسری باتوں کا فرق بیان کیا گیا ہے۔ تمام سے قطع نظر، اس فرق کو سامنے رکھا جائے۔

۵۔ تعاون علی البر والتقویٰ کا اقتضاء پھر قرآن مجید میں تعاون علی البر والتقویٰ کا جو حکم ان الفاظ میں دیا گیا ہے۔

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ [1]

(اور ایک دوسرے سے نیکی اور تقویٰ کے کام میں تعاون کرو، گناہ اور زیادتی میں نہیں

اس کا بھی تقاضا ہے کہ اگر مستحق خاندان کی مالی اعانت و سرپرستی کیلیے اس قسم کا کوئی فنڈ قائم کر لیا جائے، تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

دلائل جواز

اس بحث کے بعد اب ہم "گروپ لائف انشورنس" کے جواز کے دلائل کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ امداد باہمی کا ایک معاملہ ہمارے خیال میں "گروپ لائف انشورنس" کے حق میں جو پہلی بات کہی جا سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ "امداد باہمی کا ایک معاملہ" ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد اس بات پر استوار ہے کہ ایک محکمے کے "لوگ" باہمی چندہ کے ذریعے ایک ایسا فنڈ قائم کرتے ہیں جس سے، ان میں سے معذور یا مرحوم ہو جانے والے فرد یا ممبر کے اہل خانہ کی ایک مقررہ مقدار میں امداد کی جاتی ہے اور جس طرح "امداد باہمی"

---

[1] المائدہ ۔ ۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے دوسرے معاملات جائز اور روا ہیں اس رقم سے ان میں سے کسی ایک کی اتفاق رائے سے مدد کرنا جائز ہے، یا کسی تیسرے فرد کو دینا بھی جائز ہے۔ یا مخصوص اور معینہ شرائط کے تحت کسی اور مد میں لگانا درست ہے۔ اسی طرح زیر نظر معاملہ بھی جائز اور روا ہے۔ بلکہ ہمارے خیال میں "گروپ لائف انشورنس" کی زیر بحث صورت قریب قریب وہی صورت ہے جس کی مفتی محمد شفیع صاحب نے "حرمت بیمہ" کا فتویٰ دینے کے بعد۔ اپنی تجاویز میں اجازت دی ہے۔ آپ شق نمبر ۳ کے تحت لکھتے ہیں:

"دنیا حوادث کی آماجگاہ ہے، یہ مقولہ پہلے بھی صادق تھا اور اب تو ایسی حقیقت بن چکا ہے جس سے انکار نہیں، روزانہ حادثے ہوتے رہتے ہیں۔ جن میں جانی اور مالی دونوں قسم کے نقصانات ہوتے ہیں ... اس کا حل یہی ہے، کہ امداد باہمی اور تعاون علی الخیر کے جذبہ کے تحت ایسے ادارے قائم کئے جائیں جو ارباب خیر اور مال داروں سے عطیات وصول کریں اور ان سے جمع شدہ رقوم کو تجارت اور انڈسٹری میں لگائیں۔ ان اداروں کا کام یہ ہو۔ کہ وہ تحقیق حال کے بعد نقصان زدہ افراد اور خاندانوں کی مالی امداد کریں، اس سلسلے میں عام ادارے بھی بنائے جا سکتے ہیں اور خاص بھی، خاص کی صورت یہ ہو کہ تاجر اپنا الگ ادارہ بنائیں اور صنعت کار اپنا الگ"

اسلامی حکومت اگر اس سلسلہ میں جبر کرنا چاہے، تو جبر بھی کر سکتی ہے۔ کیونکہ حکومت کو زکوٰۃ کے علاوہ بھی بعض صورتوں میں رعایا سے جبری عطیات وصول کرنے کا حق ہے[۱]

اور جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا، اگر اس کی جمع شدہ رقوم کو سودی عنصر سے پاک کر دیا جائے، تو یہ تمام سلسلہ مکمل طور پر مفتی محمد شفیعؒ کے تجویز کردہ طریقے اور ان کی فکر کے عین مطابق ہوگا۔

۲۔ اس کا ایک معاملہ یا باہمی معاہدہ ہونا

"گروپ لائف انشورنس" کے جواز کی دوسری دلیل اس کا ایک "مالی معاملہ" یا ایک باہمی معاہدہ ہونا ہے۔ کیونکہ "گروپ لائف انشورنس" درحقیقت ہر محکمے یا ادارے میں

---

[۱] بیمہ۔ ص ۷۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کام کرنے والے افراد کے مابین قائم ہونے والا ایک "مالی معاملہ" یا "باہمی معاہدہ" ہے جس کے تحت ایک مقررہ مقدار میں تمام ممبران کی تنخواہوں سے رقم وضع کر کے، مذکورہ بالا عنوان کے تحت ایک فنڈ میں جمع کر دی جاتی ہے جسے بوقت ضرورت کسی معذور یا مرحوم کے اہل خانہ کی امداد و اعانت کے لیے صرف کیا جاتا ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ معاملہ یا معاہدہ کے لیے باقاعدہ تحریری اور مدون شکل میں ہونا ضروری ہے یا نہیں، ہمارے خیال میں اس کے لیے تحریری اور باقاعدہ ہونا کوئی ضروری نہیں۔ خود قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بعض معاملات کو غیر تحریری اور غیر مرتب رکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ ارشاد مبارک ہے:

إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا [1]

(ہاں اگر سودا دست بدست ہو، جو تم آپس میں لیتے دیتے ہو، تو اگر ایسے معاملے کی دستاویز نہ لکھو۔ تو تم پر کچھ گناہ نہیں)

اسی لیے زبانی کلامی کیے ہوئے عہد یا معاملے کی پابندی بھی اتنی ہی لازم ہے۔ جتنی کہ تحریری اور مرتب معاہدے یا میثاق کی پابندی ضروری ہے۔ اسی لیے قرآن حکیم میں "عقود"، "عہود" اور "مواثیق" وغیرہ کی پابندی کرنے کی تاکید کرتے ہوئے ان میں تحریری یا غیر تحریری کا فرق نہیں کیا گیا۔ مثال کے طور پر سورۃ المائدہ میں ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَوْفُوا۟ بِٱلْعُقُودِ [2]

(اے ایمان والو! اپنے اقراروں کو پورا کرو)۔

سورۃ الانعام میں حکم ہے:

وَبِعَهْدِ ٱللَّهِ أَوْفُوا۟۔ (اور خدا کے عہد کو پورا کرو)۔

---

[1] البقرہ: ۲۸۲۔

[2] المائدہ: ۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر سورۃ النحل میں شدید ترین الفاظ میں اس کی تاکید فرمائی :

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا [1]

(اور جب خدا سے عہد (واثق) کرو، تو اس کو پورا کرو اور جب پکی قسمیں کھاؤ تو ان کو مت توڑو) ۔

سورۂ بنی اسرائیل میں بنی اسرائیل کے احکام عشرہ (TENCOMMANS) کے جواب میں اُمت مسلمہ کو جو "احکام دوازدہ" دیے گئے ۔ ان میں بھی عہد کی پابندی کو شامل فرمایا :

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۔ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا [2]

(اور عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے میں پرسش ہوگی) ۔

تو جس طرح دوسرے مالی معاملات، از قسم بیع، ہبہ، وقف، صدقہ، نکاح، طلاق وغیرہ طے ہو جانے سے طے سمجھے جاتے ہیں اور ان کی پابندی کرنے کی تاکید کی گئی ہے ۔ اسی طرح اس مالی معاملے یا "باہمی معاہدے" کی پابندی کی بھی تاکید سمجھی جانی چاہیے ۔

۳۰ ۔ نظام معاقل پر قیاس کا اقتضاء

دور حاضر کے بعض محققین (مثلاً ڈاکٹر محمد حمید اللہ وغیرہ [3]) نے گو "بیمہ" کے نظام کو مکمل طور پر "معاقل" (واحد معقلہ، بمعنی دیت، خون بہا) کا بدل یا قائم مقام قرار دیا ہے، مگر ہمیں اس رائے سے اتفاق نہیں ہے ۔ اس لیے کہ دونوں کے مابین بہت سی باتوں میں تفاوت موجود ہے [4] بایں ہمہ دونوں کا مقصد ایک ہونے کی بنا پر، فقط "گروپ لائف انشورنس" کی حد تک اس پر قیاس کی گنجائش موجود ہے ۔ اس موقع پر مختصر طور پر معاقل کے نظام کا جائزہ لینا

---

[1] النحل ۔ ۹۱

[2] بنی اسرائیل ۔ ۳۴

[3] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، میں مقالہ معاقل، از ڈاکٹر محمد حمید اللہ ۔

[4] مثلاً کے طور پر : (حاشیہ اگلے پر ہے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مناسب ہوگا، تاکہ اس کے حوالے سے بات کو آگے بڑھایا جا سکے:
معاقل کا واحد معقلہ اور مادہ "عَقَل عقلاً" ہے۔ جس کے لغوی معنوی روکنے اور باندھنے کے ہیں۔ چونکہ نظام معاقل سے بھی خونریزی کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اس لیے اسے معاقل کہا جاتا ہے [1] قانون شریعت میں "شبہ عمد"، "قتل خطا کی صورتوں میں مقتول کے خاندان کو خون بہا یا / دیت ادا کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے [2] اسی طرح اگر کسی قتل عمد میں بھی مقتول کے" ورثاء"

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ)

بیمہ	دیت
مگر بیمہ کے لیے فرد کا قتل ہونا ضروری نہیں طبعی موت مرنے یا، حادثہ ہو جانے، یا آگ وغیرہ لگ جانے کی تمام صورتوں میں ادائیگی ضروری ہو جاتی ہے۔	۱۔ دیت صرف قتل خطا کی صورت میں واجب الادا ہوتی ہے۔
بیمہ کی رقم، قتل یا موت یا حادثہ سے قبل اکٹھی کی جاتی ہے۔	۲۔ دیت قتل کے بعد جمع کی جاتی ہے، اس سے قبل نہیں
بیمہ کے لیے عدالتی فیصلہ ضروری نہیں، صرف موت کا تصدیق نامہ (CERTIFICATE) یا پولیس رپورٹ کافی ہوتی ہے۔	۳۔ دیت کی ادائیگی کے لیے عدالت کا فیصلہ ضروری ہے۔
بیوہ کے لیے ایسی کوئی پابندی نہیں۔	۴ دیت جمع کرنے کے لیے قاتل کے خاندان، قبیلے یا انکے حلیفوں یا حضرت عمر فاروق کی اصلاحات کے حوالے سے اسکے دیوان (ادارے) سے رقم اکٹھی کی جاتی ہے۔

۵۔ دیت کی رقم حسب وراثت مقتول کے ورثاء میں تقسیم کی جاتی ہے۔ بیمہ کیلئے نامزدگی (NOMINATION) ضروری ہے۔

[1] ہدایہ، ۳، : ۶۲۱۔ کتاب المعاقل۔

[2] النساء : ۹۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خون بہا لینے پر آمادہ ہو جائیں تو دیت کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے [1] اور چونکہ دیت کی یہ رقم (۱۰۰ اونٹ یا اس کی قیمت) کی ادائیگی تنہا قاتل کے بس سے باہر ہوتی ہے، لہٰذا اسی بنا پر شریعت نے قاتل کے ساتھ اس کے قبیلے اور خاندان کو بھی اس میں شامل قرار دیا ہے۔

"معاقل" کی یہ صورت اسلام سے قبل بھی موجود تھی، تاہم اسلام نے اس میں موجود افراط وتفریط کو ختم کیا اور "عدل وقسط" کی بنیاد پر امت مسلمہ میں رواج دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے۔ اور آپ نے یہاں پہنچ کر، مقامی باشندوں کی مدد سے جو شہری مملکت قائم کی اور اس کا باقاعدہ آئین ترتیب دیا، جو بقول "ڈاکٹر محمد حمید اللہ" دنیا کا پہلا تحریری آئین تھا [2] اس میں آپ نے حصہ اول میں مختلف مدنی قبائل کا ذکر کیا ہے اور اس کے ساتھ یہ جملہ دہرایا ہے:

"یتعاقلون بینھم معاقلھم الاولی" [3]

(یعنی وہ حسب سابق اپنی اپنی دیتیں ادا کرتے رہیں گے)۔

گویا اس "میثاق" میں دیتوں کے سابقہ طریقے کو برقرار رکھا گیا اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔

امام السرخسی نے اپنی کتاب "المبسوط" میں صراحت کی ہے۔ کہ عہد نبوی میں دیتیں جمع کرنے کے لیے تین ذریعوں کو بنیاد بنایا جاتا تھا ، اولاً قرابت (رشتہ داری) ثانیاً ولار، یعنی موالات، ثالثاً حلف (یعنی قبائل کے مابین معاہدے کی بنیاد پر اتحاد) جیسا کہ بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے اور معاہدۂ صلح حدیبیہ میں ان کی طرف سے شامل ہو گئے تھے۔ چنانچہ،

---

[1] البقرہ - ۱۷۷

[2] The first written constitution in the world

نیز مجید خدوری : War and Peace in the law of Islam

نیویارک، ۱۹۷۵ء۔

[3] ابن ہشام سیرۃ - طبع Wustenfeld ابن سلام - کتاب الاموال -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو قبائل ایک دوسرے کے حلیف بن جاتے تھے، وہ اپنے حلف (معاہدے) کی بنیاد پر دیت کی ادائیگی میں ایک دوسرے سے تعاون کیا کرتے تھے[1]

حضرت عمر فاروقؓ کا زمانہ آیا تو انھوں نے اس نظام میں توسع پیدا کیا، اور "حلف" اور "ولاء" کو بنیاد بنا کر، انھوں نے جو نئے ادارے قائم کیے تھے، جنہیں دیوان (جمع دواوین) کہا جاتا ہے، انہیں بھی ایک "قبیلے یا خاندان" کی طرح ایک اکائی (UNIT) خیال کیا اور انہیں ایک دوسرے کی دیتیں ادا کرنے کا پابند ٹھہرا لیا۔ السرخسی فرماتے ہیں:

ان عمر ابن الخطابؓ فرض العقل على اهل الديوان لانه اوّل من وسّع الديوان فجعل العقل فيه وكان قبل ذالك على عشيرة الرجل فى اموالهم[2]

(حضرت عمر فاروقؓ نے اہل دیوان پر دیت کی ادائیگی ضروری قرار دی، کیونکہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے دیوان میں وسعت پیدا کی اور اسے عاقلہ (دیت) ادا کرنے کا پابند کیا۔ اس سے پہلے عاقلہ فقط قاتل کے خاندان پر واجب الادا ہوتی تھی۔

اس مسئلے میں حضرت عمر فاروقؓ نے مزید توسع یہ بھی پیدا کیا کہ دیت کی بالاقساط ادائیگی کی اجازت مرحمت فرما دی، السرخسی المعرور بن سوید کے حوالے سے روایت فرماتے ہیں:

فرض عمر بن الخطاب الدية توخذ فى ثلاث سنين فنصف فى سنتين ومادون الثلث فى سنة[3]

(حضرت عمرؓ نے یہ ضروری قرار دیا کہ دیت تین سالوں میں ادا کی جائے اور نصف دو سالوں میں، جبکہ ایک تہائی سے کم، ایک سال میں۔

---

[1] السرخسی، المبسوط، ۲۰: ۱۲۵ مطبوعہ حیدر آباد دکن

[2] ایضاً۔ ص ۱۲۵، ۱۲۶۔

[3] السرخسی: المبسوط، ص ۱۲۶۔ یہ روایت مشہور محدث عبدالرزاق نے بھی اپنی کتاب المصنف میں روایت کی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان دونوں مسائل میں حنفی اور شافعی فقہا میں اختلاف ہے، احناف ان دونوں مسائل میں حضرت عمر فاروقؓ کی اصطلاحات کو قبول کرتے ہیں، مگر شوافع قبول نہیں کرتے لہ یہ تمام تفصیل چونکہ ہمارے موضوع سے غیر متعلق ہے، اس لیے اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔

یہاں اس تمام تفصیل کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ "گروپ لائف انشورنس" کے جواز کے لیے اس مسئلے سے استشہاد کیا جا سکے اور چونکہ استشہاد قیاس کے لیے دونوں کے مابین یکسانیت یا مماثلت کا ہونا ضروری ہے۔ اس لیے یہاں بعض باتوں میں اختلاف کے باوجود دونوں کے مابین مماثلت کی وجوہ بآسانی تلاش کی جا سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر:

۱۔ دونوں ہی کا مقصد خاندان کی مالی امداد اور اعانت کرنا ہے۔

۲۔ دونوں میں باہمی تعاون علی الخیر والبر کا جذبہ موجود ہے۔

۳۔ دونوں کے لیے متعلقہ آدمی سمیت اس کے محکمہ یا دیوان کے لوگ اس عطیے میں حصہ ڈالتے ہیں۔

۴۔ دونوں میں قسط یا رقم کی ادائیگی لازمی ہے۔

۵۔ دونوں کی رقوم کو بالاقساط جمع کرنے کی گنجائش موجود ہے۔

الغرض دونوں میں، کئی باتوں میں مماثلت موجود ہے اور یہ مماثلت بجا طور پر موخر الذکر کو مقدم الذکر پر قیاس کرنے کی گنجائش رکھتی ہے۔

ڈاکٹر حسین حامد حسان کی رائے

ڈاکٹر حسین حامد حسان اجتماعی بیمہ پر بحث کرتے ہوئے اپنی کتاب "حکم الشریعۃ الاسلامیہ فی عقود التامین"، اردو ترجمہ بیعہ کی شرعی حیثیت، از عبد الرحیم اشرف بلوچ مطبوعہ ادارۂ تحقیقات اسلامی میں لکھتے ہیں:

"یہ تو آپ جان چکے ہیں کہ اجتماعی بیمہ کا کاروبار خود حکومت کرتی ہے یا اس کا انتظام و انصرام وہ اپنے کسی عام ادارے کے حوالے کر دیتی ہے اور اس کے

لہ ایضاً۔ ۲۰، ص، ۱۲۵-۱۲۶، المرغینانی، ہدایہ۔ ۲: ۱۴۶ تا ۶۴۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذریعے حکومت عوام کے بعض طبقات کو بعض خطرات سے تحفظ فراہم کرتی ہے۔
جیسے مزدوروں کا معذور ہو جانے، بیمار پڑ جانے اور بڑھاپے کے خلاف بیمہ کرنا۔

ہمارے نزدیک اس قسم کا بیمہ کرنا جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں، ہماری اس رائے کی تائید علمائے شریعت میں سے بیمہ پر تحقیق کرنے والے تمام محققین کرتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ بیمہ میں ممانعت کی دلیل تو دھوکہ ہے اور یہ دلیل صرف معاوضہ والے معاملات تک محدود ہے، جبکہ تبرعات میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں، جیسا کہ امام مالک اور آپ کے پیروکار مجتہدین فن سے، جن کی رائے ہمارے نزدیک معتبر ہے، کا یہی مذہب ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اجتماعی بیمہ کا نظام اپنی ہیئت و صورت میں جو ہم نے فصل اول میں بیان کی ہے، معاوضہ والے معاملات میں داخل نہیں۔ کیونکہ اس میں حکومت خود جو کچھ خرچ کرتی ہے اس کے مقابلے میں کسی معاوضے کی طالب نہیں ہوتی نہ ہی اس کے بدلے میں کسی نفع کے لیے کوشاں ہوتی ہے۔ تاکہ جو کچھ وہ ادا کرتی ہے اس سے زیادہ وہ حاصل کر سکے۔ بلکہ ہوتا اس اس کے برعکس ہے کہ حکومت بھی مزدوروں اور آجر حضرات کے ساتھ ساتھ اپنا حصہ ادا کرتی ہے لہٰذا اس حیثیت سے اجتماعی بیمہ موضوع اختلاف اور مباحثے سے خارج ہوتا ہے۔

(ص ۵۴-۵۵)

© rasailojaraid.com